© rasailojaraid.com

قاضی ابویوسف کی کتاب الخراج

از

(جناب ڈاکٹر خورشید احمد صاحب فارق استاذ ادبیات عربی دہلی یونی ورسٹی)

جیسا کہ معلوم ہے ابو یوسف یعقوب خلیفہ ہارون الرشید (م ۱۹۳ء) کے چیف جسٹس تھے، اس سے پہلے وہ خلیفہ مہدی (م ۱۶۹ھ) اور ہادی (م ۱۷۰ھ) کے قاضی بھی رہ چکے تھے، رشید کے ذہن میں بہت سے سوال تھے جن کے بارے میں یا تو ان کو شک تھا، یا الجھن یا عدم واقفیت - یہ سوال انھوں نے قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کئے اور ان کا مبسوط جواب طلب کیا، کتاب الخراج انھی سوالات کا جواب نامہ ہے - ان سوالات کا تعلق نہ تو عبادات سے ہے نہ افراد کے باہمی معاملات سے، اس لئے ایسے مسائل جیسے نماز، روزہ، حج یا شادی بیاہ، خرید و فروخت، لین دین، اس کتاب کے حدود سے خارج ہیں - کتاب کا موضوع ہیں وہ معاملات جو حکومت اور رعایا کے مابین رونما ہوتے ہیں، جن کا حکومت کے انتظام یا پالیسی سے تعلق ہوتا ہے جیسے بند و بست اراضی، نظامِ آب پاشی، نظامِ محصولات، قوانینِ جرائم، غیر مسلموں کے ساتھ پالسی -

مصنف نے خلیفہ کے ہر سوال کو الگ الگ لیا ہے اور اس کا جواب دیا ہے، چونکہ کتاب کی ابتدائی چند فصلیں اراضی اور لگان سے متعلق ہیں اور زیادہ تفصیل سے بیان ہوئی ہیں مصنف نے کتاب کا نام کتاب الخراج رکھ دیا ہے -

اسلام کے قانون لگان، قانون اراضی، قانون محصولات، قانون تعزیرات، غیر مسلم ذمی رعایا، ان کی عبادت گاہوں، ان کے حقوق اور پابندیوں سے متعلق یہ سب سے مستند اور ابتدائی کتاب ہے جو ہم تک پہنچی ہے -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب کی ابتداء ایک طویل مقدمہ سے ہوئی ہے جس میں مصنف نے نہایت مخلصانہ اور اثر انگیز انداز میں خلیفہ کو راستبازی اور رعیت پروری کی ہدایت کی ہے۔ چند اقتباس ملاحظہ ہوں:۔ "امیر المومنین خدا نے آپ کو حکومت کی بھاری ذمہ داری سونپی ہے، جس کا ثواب ہر ثواب سے زیادہ اور عذاب ہر عذاب سے سخت تر ہے۔ خدا نے مسلمان قوم کو آپ کی امان میں دے دیا ہے اور ان کی بہبودی کا بار آپ کے کندھوں پر ڈالا ہے، اور اس بار کو آپ کے کندھوں پر ڈال کر آپ کی آزمائش کرنا چاہی ہے۔ آپ کی صبح و شام بہت سے انسانوں کی تعمیر حیات کے لئے وقف ہو گئے ہیں اور ہر وہ عمارت جس کا سنگِ بنیاد تقوی یا خوفِ الٰہی کے علاوہ کسی اور اصول پر قائم ہو پائندہ نہیں ہوتی، بہت جلد خدا اُس عمارت کو بنانے والے کے سر پر گرا دیتا ہے، لہذا رعیت کی سربراہ کاری کا جو منصب آپ کو دیا گیا ہے اس کو ناخدا ترسی یا بے توجہی سے ضائع نہ ہونے دیجئے ۔۔۔۔۔۔ آج کا کام کل پر نہ چھوڑئے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو وہ کام ضائع ہو جائے گا، جس طرح چرانے والا مویشیوں کی حفاظت کے لئے ان کے مالک کے سامنے جوابدہ ہے، اسی طرح حکمراں خدا کے سامنے رعایا کی بہبودی کے لئے ذمہ دار ہیں ۔۔۔۔۔۔ رعیت کے کسی معاملہ میں اپنی ذاتی خواہش یا میلان کو دخل نہ دیجئے، نہ غصہ اور غضب میں آکر کوئی قدم بڑھایئے اور اس بات کا دھیان رکھئے کہیں خدا آپ سے ناراض نہ ہو جائے۔ احکام نافذ کرتے وقت اپنے پرائے، عزیز و اجنبی میں تفریق نہ کیجئے اور ایسا کرنے میں کسی کی ملامت یا شکایت کی پرواہ نہ کیجئے، خدا کا خوف یہ نہیں کہ زبان سے اس کا اظہار کیا جائے، خدا کا خوف یہ ہے کہ دل میں اس کا زندہ احساس ہو اور آپ کے ہر فعل میں اس کی جھلک نظر آئے ۔۔۔۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ جب خدا کے سامنے آپ حاضر ہوں تو آپ کا نامۂ اعمال ظلم و ستم کی سیاہی سے رنگا ہو، روزِ جزا کی عدالت کا حاکم لوگوں کو اعمال کی بناء پر جزا و سزا دے گا، ان کے منصب یا خاندانی تعلق کا کچھ لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ آپ کو بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا اور آپ کو بغیر باز پرس کے نہیں چھوڑا جائے گا، بلاشبہ خدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ سے آپ کے تمام افعال کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا، بس آپ خیال رکھئے آپ کیا جواب دیں گے - آپ کو یاد رہے کوئی انسان خدا کی پیشی سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکتا جب تک ان چار سوالوں کا جواب نہ دے دے :- اپنے علم سے کس طرح کام لیا - اپنی عمر کو کن کاموں میں صرف کیا - مال کس طرح کمایا اور کن کاموں میں خرچ کیا - اپنے جسم کو کس تگ ودو میں کھپایا - امیر المومنین ان سوالوں کا جواب تیار رکھیئے، وہ وقت نہ بھولئے جب خدا کی بھری مجلس میں ان تمام اعمال کی نقاب کشائی ہوگی جو آپ نے درپردہ کئے ہوں گے . .

. . . . خدا کی نظر میں تعمیری اور اصلاحی کاموں سے بہتر کوئی کام نہیں ہے اور تخریب و فساد سے زیادہ وہ کسی کام کو برا نہیں سمجھتا، ارتکابِ معاصی کفرِ نعمت کے مترادف ہے، اور جب کسی قوم نے نعمتِ خداوندی کی قدر نہ کی، ارتکابِ معاصی کیا مگر توبہ نہ کی، تو اُن کی عزت اور نعمت سب چھین لی گئی اور خدا نے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا۔[1]

قاضی ابو یوسف ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں وفات پائی - تعلیمی زمانہ مالی دشواریوں میں گذرا[2]، امام ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے خاص شاگرد تھے، امام صاحب ان کی مالی امداد بھی کرتے تھے، اور بڑی شفقت سے پیش آتے تھے، تعلیم سے فارغ ہوکر قاضی صاحب خلیفہ عباسی مہدی (متوفی ۱۶۹ھ) کے قاضی ہوئے مہدی کے بعد خلیفہ ہادی (متوفی ۱۷۰ھ) نے ان کو اس منصب پر برقرار رکھا اور جب ہارون الرشید خلیفہ ہوئے (۱۷۰ھ) تو انھوں نے قاضی صاحب کو ان کے تجربہ، فقہی لیاقت اور دینی بصیرت

---

[1] کتاب الخراج ص۳-۱) [2] قاضی تنوخی نے اپنی نشوار المحاضرہ میں (۱/ ۱۲۳ - ۱۲۴) لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف نے شدید افلاس کی حالت میں تعلیم حاصل کی شادی ہو چکی تھی اور یہ امام ابوحنیفہ کے حلقہ میں بڑی مستعدی سے تعلیم کے لئے جاتے تھے کمانے کے لئے بالکل وقت نہ ملتا تھا ان کی بیوی کسی نہ کسی طرح گھر چلاتی تھیں، ایک رات جب یہ پڑھ کر لوٹے اور کھانا مانگا تو بیوی نے ایک ڈھکی تھالی سامنے لا کر رکھ دی، ابو یوسف نے کھولا تو اس میں اپنے نوٹس اور کاپیوں کا انبار دیکھا، کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، یہ دیکھ کر وہ روتے اور بھوکے سو رہے، صبح کو کھانے کا کچھ انتظام کیا اور دیر سے پڑھنے گئے اور سارا قصہ امام صاحب سے کہہ سنایا، انھوں نے کہا میں کچھ نہ کچھ تمہاری مدد کرتا رہا ... اگر تم جیتے رہے تو فقہ کی بدولت اخروٹ اور پستہ کے کیک کھاؤ گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے متاثر ہو کر ساری حکومت کا چیف جسٹس مقرر کیا۔

یہ بات کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ امام ابو حنیفہ (۸۰ - ۱۵۰) صرف مشہور حدیثوں کو مانتے تھے جن کی تعداد بہت کم تھی اور آحاد احادیث کو تسلیم نہ کرتے تھے کیوں کہ احاد احادیث بہت بڑے پیمانہ پر وضع ہونے لگی تھیں اور یہ طے کرنا ممکن نہ تھا کہ کون سی حدیث اصلی ہے اور کون سی جعلی، اس لئے انھوں نے غیر مشہور حدیث نبوی اور حدیث صحابہ کی جگہ قرآن اور قرآن سے قیاس واجتہاد کو قانون سازی کی بُنیاد قرار دے لیا تھا اور قریب قریب یہی مسلک عراق کے اکثر فقہاء کا تھا، اس بناء پر عراق کے فقہاء کو "مدرسہ قیاس یا رائے" کہا جانے لگا۔ اس مدرسہ کے مقابلہ میں حجاز، شام، مصر، یمن وغیرہ میں ایسے فقہاء تھے جو قرآن کے بعد آحاد حدیثوں، صحابہ اور تابعین کے اقوال وفتاوی کو قانون سازی کی بنیاد قرار دیے ہوئے تھے، اور قیاس واجتہاد سے صرف اس وقت رجوع کرتے تھے، جب مذکورہ مراجع سے کام نہ چلتا۔ باایں ہمہ عام طور پر ہر شہر کی احادیثیں اور اقوالِ صحابہ بلحاظ اسناد اور اکثر بلحاظ متن بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے تھے۔ قانون سازی کے اس مسلک کو "مدرسہ حدیث" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مدرسہ قیاس ومدرسہ حدیث میں سخت نزاع تھا، ہر مدرسہ دوسرے پر شدید طعن کرتا اور دوسرے مسلک کو ناقابل اعتبار ٹھہراتا تھا۔

امام صاحب کے وقت تک مدرسہ قیاس بہت محدود تھا، کوفہ اس کا مرکز تھا اور کوفہ سے باہر عراق کے شہروں میں خال خال اس کے نمائندے پائے جاتے تھے۔ اس کے برخلاف "مدرسہ حدیث" کو بہت وسعت حاصل تھی، اکثر اسلامی صوبوں اور شہروں میں اس کا دور دورہ تھا، اور مسلمانوں کا سوادِ اعظم اس کے زیر اثر تھا، وجہ یہ تھی کہ جس بات کو رسول اللہ یا صحابہ کی طرف منسوب کیا جاتا وہ مقدس حیثیت اختیار کر لیتی اور عوام وخواص سب کی عقیدت کا مرکز بن جاتی اور چونکہ ہر جگہ کے محدث اور مفتی رسول اللہ اور صحابہ کی طرف منسوب کئے ہوئے اقوال پر مہر صحت ثبت کر دیتے، لوگ ان اقوال کی صحت کو مزید تحقیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کھوج کئے بغیر مان لیتے تھے۔ قیاس اور اجتہاد کا معاملہ مختلف تھا، اس میں نہ تقدس کا پہلو تھا نہ عقیدت کا، اس کے علاوہ "قیاس" کے خلاف "مدرسۂ حدیث" ایک وسیع محاذ بنائے ہوئے تھا اور اس کو شریعت سازی، اور بدعت کے القاب سے یاد کرتا تھا، اس لئے عوام "مدرسۂ قیاس" سے بھڑکتے تھے۔

مدرسہ حدیث کا غلبہ عوام پر ہی نہ تھا بلکہ حکمراں طبقہ میں بھی اس کو پورا رسوخ حاصل تھا، قانونی معاملات میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، قاضی و مفتی اسی مدرسہ سے مقرر کئے جاتے تھے اور حکمراں حلقے اس کا اثر اور اقتدار تسلیم کرتے تھے، نتیجہ یہ تھا کہ بہت سے لوگ خواہ وہ عالم دین ہوں، خواہ سرکاری ملازم، خواہ قاضی و مفتی، جن کے دل میں آحاد حدیثوں کی طرف سے بے اطمینانی ہوتی اور قیاس واجتہاد کی طرف میلان، وہ کچھ تو رائے عامہ سے مرعوب ہو کر، کچھ اس ڈر سے کہ ان کی نوکری یا مراعات خطرہ میں پڑ جائیں گے "مدرسہ حدیث" سے مخالفت اور "مدرسہ قیاس" سے وفاداری کا برملا اظہار نہ کرتے تھے۔

امام صاحب کو اپنا "مسلکِ قیاس" بہت مہنگا پڑا[1] "مدرسہ حدیث" ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑا اور ان کی اور ان کے مسلک کی دھجیاں اڑا دیں، اس کا اندازہ خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد میں "امام صاحب" کے ذکر میں ان آرار کو پڑھ کر کیا جاسکتا ہے جو "مدرسہ حدیث" کے فقہاء نے ان کے بارے میں پیش کئے ہیں۔ امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ) نے بھی اپنی "الام" میں اس مسلک کی بڑی شد و مد سے مخالفت کی ہے اور امام مالک (م ۱۷۹ھ) کی مؤطا بھی احاد حدیثوں کے مقابلہ میں ترکِ قیاس کے اصول پر لکھی گئی ہے۔

۱۔ قاضی ابو یوسف امام صاحب کے شاگرد تھے اور مدرسۂ قیاس سے وابستہ، مگر عملاً ان کا مسلک امام صاحب کے مسلک سے مختلف تھا۔ امام صاحب صرف مشہور احادیث کو حجت قرار دیتے ہیں مگر قاضی صاحب احاد حدیثوں، اقوالِ صحابہ کو بھی حجت مانتے ہیں بلکہ تابعین کے فتووں کو بھی قیاس واجتہاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کا سبب ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو یہ تھا کہ وہ نہایت مقتدر "مدرسہ حدیث" کے ہاتھوں جو خواص، عوام اور حکمرانوں میں غیر معمولی رسوخ رکھتا تھا۔ اپنے استاد کی طرح مطعون و مردود ہونا نہیں چاہتے تھے، دوسرے انھوں نے مدینہ جاکر امام مالک کے حلقوں میں کافی عرصہ شریک ہو کر بہت سی احاد احادیث کی صحت کے بارے میں اطمینان حاصل کر لیا تھا، اور شاید ایک سبب یہ تھا کہ قیاس کے استعمال اور مسائل کے استنباط کا معاملہ ان کو پیچیدہ اور پُر از خطر نظر آتا تھا۔

۲۔ بہر حال یہ اسباب ہوں یا ان کے علاوہ کچھ اور، واقعہ یہ ہے کہ کتاب الخراج حدیث اور روایت سے بھرپور ہے۔ ساری کتاب میں متوسط تقطیع کے ۲۱۶ صفحے ہیں جن میں رسول اللہ کی تقریباً ۱۵۰ حدیثیں اور صحابہ وتابعین کے ۳۶۰ اقوال بیان ہوئے ہیں۔ قاضی صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دربارِ خلافت کے سوال کا جواب دیتے ہیں اور پھر اس جواب کی تائید میں رسول اللہ، صحابہ یا تابعین کے قول یا فعل کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ ماننا پڑے گا کہ مصنف نے اپنی حدیثوں اور روایتوں کے انتخاب میں بڑی تاریخی و علمی لیاقت اور دینی بصیرت کا ثبوت دیا ہے، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں انھوں نے اکثر وہی حدیثیں پیش کی ہیں جو قرآن کی اسپرٹ اور اسلام کی روح سے ہم آہنگ ہیں اور اس طرح رسول اللہ کا یہ فرمان پورا کر دکھایا ہے: "میری طرف منسوب کر کے آزادی سے حدیثیں بیان کی جائیں گی، پس اگر ایسی بات میری طرف منسوب ہو جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہو تو اس کو مان لینا اور اگر ایسی بات منسوب کی جائے جو اس کے اصول اور اسپرٹ کے خلاف ہو تو سمجھ لو کہ میں نے نہیں کہی ہے۔"

۳۔ جہاں تک صحابہ کے اقوال کا تعلق ہے تو قاضی صاحب نے اکثر ان صحابہ کو سند کے لئے پیش کیا ہے جن کا تدین اور کارنامے مشہور ہیں، مثلاً کتاب میں عمرؓ بن خطاب کے اقوال و افعال کے حوالے سب سے زیادہ پیش کئے گئے ہیں، حضرت علیؓ اور ابو بکرؓ سے بھی استناد کیا گیا ہے اور حضرت عمرؓ کے بعد عمر بن عبد العزیز (خلیفہ اموی از ۹۹ھ تا ۱۰۱ھ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اقوال وآرار، سب سے زیادہ بطور سند بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں بہت سے اقوال ایسے ہیں جن کی توثیق وتائید تاریخی وادبی کتابوں سے ہو جاتی ہے اور ایک بڑی تعداد ایسے اقوال کی ہے۔ اور یہ کتاب کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں۔ جو تاریخی وادبی کتب میں تو نہیں ملتے مگر ان حضرات کی زندگی اور ان کی حکومت کی پالیسی سے گہری موافقت رکھتے ہیں اور اس لئے ان کو صحیح مانا جاسکتا ہے۔

۴۔ علمائے تابعین میں صرف ان حضرات کے اقوال نقل کئے گئے ہیں جن پر مصنف کو اعتماد ہے یا جن کے اقوال قرآن واسلام کے بنیادی اصولوں سے نہیں ٹکراتے۔ ان علمار میں کوفہ کے شیوخ ہی نہیں بلکہ حجاز اور شام کے شیوخ بھی شامل ہیں، مثلاً حماد، ابراہیم، ابن ابی لیلیٰ، شعبی اور ابو حنیفہ کے ساتھ امام مالک، نافع، سعید بن مُسیّب، زہری کے فتوے بھی بیان کرتے ہیں، جس سے ان کی بے تعصبی اور صلاح اندیشی کا پتہ چلتا ہے۔

۵۔ اس میں شک نہیں کہ قاضی ابو یوسف زیادہ تر علمار کوفہ کا قانونی نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں تاہم ان کو علمار حجاز یا شام یا "مدرسہ حدیث" سے کوئی کد یا عداوت نہیں ہے، بلکہ ان کی رواداری کا حال یہ ہے کہ وہ جس طرح کوفہ کے علمار کے بارے میں کہتے ہیں: اما اصحابنا من اھل الکوفۃ فاختلفوا فی ذلک، وہ علمار حجاز کی نسبت بھی ایسے ہی دوستانہ لفظ استعمال کرتے ہیں: "وان اصحابنا من اھل الحجاز واھل المدینۃ علی کراھتہ ذلک وافسادہ" (ص۳)

۶۔ اسی طرح وہ ایسے راویوں کی روایت قبول کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے جو عام محدثین کی نظر میں مطعون یا ضعیف ہیں مثلاً محمد بن اسحاق اور کلبی، کیوں کہ ان کے پیش نظر یہ نہیں کہ راوی کس گروہ یا نظریہ سے تعلق رکھتا ہے بلکہ یہ کہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ کہاں تک حق سے کلی یا جزوی موافقت رکھتا ہے۔

۷۔ کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ کہیں رد وقدح یا دوسروں پر اعتراض،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اپنے مسلک کی برتری کا اظہار جو فقہی کتب کی امتیازی شان ہے موجود نہیں ہے۔

۸۔ قاری کتاب میں مصنف کی خود فراموشی اور انکساری کا رنگ دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ وہ بادشاہِ وقت کے سامنے اپنا قانونی اجتہاد صرف ایک دو بار ہی پیش کرتے ہیں، باقی ہر مسئلہ میں رسول اللہ، صحابہ اور تابعین کی ہر وہ رائے جو ان کے فقہی و علمی بصیرت پر پوری اترتی ہے بلاتردد بیان کر دیتے ہیں، اور اگر کسی مسئلہ میں سلف کی دو یا زائد رائیں ہوتی ہیں اور ان میں کوئی اصولی نقص نہیں ہوتا تو وہ خلیفہ سے کہہ دیتے ہیں کہ آپ کو آزادی ہے ان میں سے جس کو چاہیں اختیار کر لیجئے۔

۹۔ کتاب کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب ایک نہایت دردمند حساس، اور خیر اندیش دل رکھتے ہیں، جن کی نظر میں قیامِ انصاف، استیصالِ ظلم، اور رعایا کی بہبودی، زندگی کا سب سے اہم فریضہ ہے اور اس فریضہ کا احساس وہ خلیفہ کے دل میں اسی لگن سے پیدا کرنا چاہتے ہیں جس طرح خود ان کے دل میں موجود ہے۔ ساری کتاب میں یہ اسپرٹ کار فرما ہے اور مصنف کا دردمند دل جگہ جگہ خلیفہ کو مشوروں کی صورت میں امنڈ آتا ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

(الف) ذمیوں سے جزیہ کی وصولی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: جزیہ وصول کرنے کے لئے ذمیوں کو مارا نہ جائے، ان کو دھوپ میں کھڑا نہ کیا جائے، نہ اور کوئی جسمانی اذیت پہنچائی جائے، بلکہ ان کے ساتھ نرمی اور لطف کا برتاؤ کیا جائے[1] پھر خلیفہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: امیر المؤمنین خدا آپ کی مدد کرے، آپ اپنے حکام کو اس بات کی تاکید کر دیجئے کہ ذمیوں کے ساتھ لطف کا برتاؤ کیا جائے، اس کی پوری نگرانی کی جائے کہ ان پر ظلم نہ ہو، ان کو ستایا نہ جائے، نہ ان کی طاقت سے زیادہ جزیہ وصول کیا جائے، اور نہ کوئی چیز ان کی مال و متاع سے ناجائز طریقہ سے لی جائے، کیوں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے: جو

---

[1] کتاب الخراج ص۱۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاہد کے ساتھ ظلم کرے گا، یا اس کی طاقت سے زیادہ (لگان جزیہ) وصول کرے گا، میں اس سے قیامت کے دن مواخذہ کروں گا۔"

مصنف نے ایک روایت بیان کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُموی حکام ذمیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ جزیہ وصول کرتے تھے جس کے زیر اثر ان کو اپنا سامان (مصنوعات وغیرہ) سستا بیچنا پڑتا تھا۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز سے کسی نے ان کے وقت میں اشیاء کی گرانی کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا: مجھ سے پہلے خلیفہ ذمیوں سے ان کی طاقت سے زیادہ جزیہ اور خراج لیتے تھے، جس سے وہ اپنا سامان ارزاں بیچنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور اشیاء سستی ہو جاتی تھیں اور میں ذمی سے اتنا لیتا ہوں جتنا وہ آسانی سے ادا کر سکتا ہے، اب وہ جس قیمت پر چاہتا ہے اپنا سامان بیچتا ہے۔[1]

اسی سلسلہ میں ایک اور روایت بیان ہوئی ہے جس کی رو سے حضرت عمرؓ نے ایسے ذمیوں کی جو کمانے سے معذور ہوتے بیت المال سے مدد مقرر کر دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ایک اندھے بوڑھے بھکاری کو کسی دروازہ پر بھیک مانگتے دیکھا تو اس کے بازو پر ہاتھ مار کر پوچھا: تمہارا مذہب کیا ہے؟ اس نے کہا میں یہودی ہوں، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا تم بھیک کیوں مانگتے ہو؟ اس نے کہا: میں بھیک سے جزیہ کی رقم اور اپنی معاش فراہم کرتا ہوں" حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے آئے اور گھر سے لا کر اس کو کچھ دیا، پھر بیت المال کے خزانچی کو بلایا اور کہا: اس کا اور اس جیسے معذوروں کا خیال رکھو، بخدا یہ انصاف نہیں کہ ہم اس کی جوانی کھائیں اور بڑھاپے میں اس کو لاچار چھوڑ دیں، پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ، فقراء سے مراد مسلمان فقراء ہیں اور یہ اہل کتاب کے مساکین سے ہے۔" حضرت عمرؓ نے اس کا اور دیگر معذور ذمیوں کا جزیہ بھی معاف کر دیا۔[2]

(ب) مصنف نے ایک ضابطہ پیش کیا ہے جس کے مطابق جزیہ لگانے اور وصول کرنے

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۳۲ [2] کتاب الخراج ص ۱۲۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی خلیفہ سے سفارش کی ہے، لکھتے ہیں :۔ بڑے شہروں مثلاً کوفہ، بصرہ، بغداد، دمشق کے ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے کا طریقہ میری رائے میں یہ ہونا چاہیے کہ خلیفہ ہر شہر میں ایک ایماندار، صالح شخص کو جس کی نیک نفسی اور تدین پر اس کو بھروسہ ہو، افسر جزیہ مقرر کرے اور اس کے ساتھ مددگار اسٹاف لگائے، یہ اسٹاف شہر کے سارے یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں، صابئین اور سامرہ کو جمع کر کے اس کے پاس لائیں اور وہ ان سے حسب ذیل جزیہ وصول کرے

(۱) مالداروں سے اڑتالیس درہم (تقریباً ستائیس روپے) سالانہ، اس صنف میں خاص طور پر ایسے لوگ ہوں گے جیسے مہاجن، بزاز، جاگیردار، بڑے تاجر، حکیم ڈاکٹر۔

(۲) تجارت اور صنعت پیشہ لوگ، ان سے ان کی حیثیت اور آمد کے بموجب وصول کیا جائے، ان میں جو خوب کھاتے پیتے ہوں اُن سے اڑتالیس درہم اور جو متوسط درجہ کی آمدنی رکھتے ہوں ان سے چوبیس درہم لئے جائیں۔

(۳) دستکار مثلاً درزی، رنگ ساز، قصاب اور موچی، ان سے بارہ ۱۲ درہم سالانہ کی شرح سے جزیہ لیا جائے۔ رہا دیہاتی علاقہ تو وہاں میری رائے میں جزیہ وصول کرنے کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ آپ اپنے کلکٹروں کو حکم دیں کہ ایسے اشخاص کا اسٹاف مقرر کریں جن کی ایمانداری اور دینداری لائق اعتماد ہو، یہ لوگ ہر گاؤں کے مالک سے ملیں اور کہیں کہ اپنے گاؤں کے ذمیوں کو جمع کرے اور جب سب جمع ہو جائیں تو ان سے مذکورہ شرح اور درجہ بندی کے مطابق جزیہ وصول کریں، اسٹاف کو سخت تاکید کر دیجیے کہ اس ضابطہ سے انحراف نہ کریں اور کوئی دوسرا طریقہ ہرگز ہرگز عمل میں نہ لائیں، کسی ذمی سے جو آپ کے خیال میں جزیہ دینے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو ایک پیسہ نہ لیں اور ظلم و ستم کا دل میں خیال تک نہ آنے دیں۔ اگر اگر گاؤں کا مالک کہے کہ مجھ سے میرے علاقہ کے ذمیوں کی طرف سے معاہدہ کر لیا جائے تو اس کی یہ خواہش پوری نہ کی جائے[1]۔

---

[1] کتاب الخراج ص۱۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ج) خراج یا لگان کا ٹھیکہ دینے کے موضوع پر :- میری رائے ہے کہ امیر المومنین
پ نہ تو عراق نہ اسلامی حکومت کی کسی دوسری اراضی میں خراج کا ٹھیکہ دیں، کیوں کہ اگر
اوار کم ہوئی اور ٹھیکہ دار کو مقررہ رقم سے کم وصول ہوا تو وہ کاشتکاروں اور زمینداروں
ظلم کرے گا اور ان سے ٹھیکہ کی کل رقم وصول کرنے میں ظلم وستم اور ناجائز طریقوں سے کام
ے گا اور ظلم وستم کے معنی ہیں زراعت کی تباہی اور رعیت کی بربادی، ٹھیکہ دار کو اس
کیا پرواہ کہ رعیت یا زراعت تباہ ہو، اس کو تو اپنے ٹھیکہ کی سلامتی سے دلچسپی ہے،
ر اس بات کا بھی پورا احتمال ہے کہ وہ ٹھیکہ کی رقم سے زیادہ وصول کرے اور اس کے لئے
یت کے ساتھ زیادتیاں کرے، ان کو مارے، جلتی دھوپ میں کھڑا کرے، ان کی گردن
یں پتھر لٹکائے اور یہ تکلیفیں دے کر رعیت سے وہ روپیہ وصول کرے جو ان پر واجب
یں ہے اور اس طرح خدا کی زمین میں فساد برپا کرے جس سے خدا نے روکا ہے، خدا کا حکم
بس یہ ہے کہ رعیت سے اس قدر لیا جائے جو ان کی ضروریات سے بچ رہے، ان کی برداشت
ے زیادہ لینا بالکل حرام ہے۔

میں ٹھیکہ کی مخالفت اس اندیشہ سے کر رہا ہوں کہ کہیں ٹھیکہ دار ان سے اس روپیہ
مطالبہ کرے جو ان پر واجب نہیں ہے اور اس کے وصول کے لئے ان طریقوں کو برتے جن
میں نے اوپر ذکر کیا ہے، جس کے نتیجہ میں ایک طرف تو رعیت کو نقصان پہنچے اور دوسری
ف تنگ آکر وہ زراعت چھوڑ دیں جس سے سرکاری آمدنی کم ہو جائے، جہاں فساد ہوگا
ہاں کوئی بھلائی نہ پنپے گی اور جہاں راستبازی کے جذبہ سے کام ہوگا وہاں ہر کوشش
پھلے پھولے گی۔

امیر المومنین خدا آپ کو سلامت رکھے، میری رائے میں آپ خراج کی وصولی کے لئے
یسے حکام کا انتخاب کریں جو عوام کے خیر اندیش، دیندار اور ایمان دار ہوں اور ان میں سے

ے خراج ادا کرنے والے اکثر و بیشتر غیر مسلم تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ جس کو ان کا حاکمِ اعلیٰ مقرر کریں تو ضروری ہے کہ وہ مذکورہ صفات کے علاوہ فقیہ اور عالمِ دین بھی ہو، بے عیب سیرت کا حامل ہو، اصحاب رائے سے مشورہ کرنے میں اپنی ہتک نہ سمجھے، جس کی پاکبازی مسلم ہو، جو صحیح کام کرنے میں کسی ملامت سے نہ ڈرتا ہو، جو صحیح کام کرے تو صرف خدا کی خوشنودی کی خاطر اور اگر اس سے لغزش ہو تو خدا کی ناراضی کا خیال اس کے دل میں لرزش پیدا کر دے، اگر شہادت دے تو اس کی شہادت مقبول ہو، اگر فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بے لاگ ہو، کیونکہ آپ اس کو ایک سنگین خدمت یعنی مالگذاری کی تحصیل پر مامور کر رہے ہیں جس کا تقاضہ ہے کہ حلال ذریعہ سے مالگذاری لی جائے اور ناجائز طریقہ سے اجتناب کیا جائے، پس اگر ایسا حاکم عادل، ثقہ اور امین نہ ہوگا تو تحصیلِ زر کی نازک ذمہ داری میں اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

اربابِ حکومت کو میں نے دیکھا ہے کہ خراج کے حکام کے انتخاب میں احتیاط سے کام نہیں لیتے، کوئی شخص اگر ان کے دروازہ پر کچھ دن ڈٹا رہے تو اس کو گورنری جیسا سنگین عہدہ جس سے مسلمانوں کی زیست و موت اور خراج ان کے تصرف میں آجائے عطا کر دیتے ہیں اور شاید اس شخص کی ایمانداری اور سلامت روی کا پورا اطمینان کئے بغیر . . .

(د) خراج کے حاکمِ اعلیٰ کے ماتحتوں کے ساتھ طرزِ عمل کے بارے میں :-

جس شخص کو آپ گورنر یا حاکمِ اعلیٰ بنائیں اس کو تاکید کیجئے کہ اپنے ماتحتوں پر سختی سے پیش نہ آئے، ان کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے، نہ ان کے ساتھ بے نیازی اور بے پرواہی کا برتاؤ رکھے، بلکہ ان کے سامنے نرمی کا لباس پہن کر آئے جس میں سختی اور پرہیز کے رنگ کی جھلک ہو، مگر یہ سختی اور پرہیز ظلم کی شکل اختیار نہ کرے، اور نہ ماتحتوں کو ایسے کام کرنے پر مجبور کیا جائے جن کے لئے وہ ملازم نہیں رکھے گئے ہیں۔ حاکم اعلیٰ کو یہ بھی تاکید کیجئے کہ وہ نکوکاروں کے ساتھ لطف سے پیش آئے اور بدکاروں کو قانون کے شکنجہ میں کسے، ذمیوں کے ساتھ انصاف کا سلوک کرے، اور مظلوم کا حق ظالم سے دلوائے، نیز یہ کہ مال گذاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تحصیل اس ضابطہ کے مطابق کرے جو اس کو سرکار کی طرف سے دیا جائے، اور مال گذاری کا کوئی خود ایجاد طریقہ اہلِ خراج پر نہ آزمائے۔ اس بات کی بھی ہدایت کیجئے کہ اہلِ خراج سے اپنی مجلس میں جہاں تک بیٹھنے اور بات چیت کا تعلق ہے مساویانہ برتاؤ رکھے، تاکہ حق کے سامنے رشتہ دار، اجنبی، بڑے اور چھوٹے سب برابر رہیں . . . .

جس شخص کو آپ خراج کا حاکم اعلیٰ مقرر کریں اس کے ساتھ سپاہیوں کی ایک جماعت بھی رکھئے، یہ سپاہی رضاکار نہ ہوں بلکہ سرکاری ملازم، جنہوں نے آپ کی خیرخواہی کا حلف اٹھایا ہو، اور آپ کی خیرخواہی یہ ہے کہ آپ کی رعیت پر ظلم نہ ہو۔ یہ حکم کر دیجئے کہ ان سپاہیوں کو ماہ بماہ پابندی سے سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی رہے اور خراج یا لگان کی مد سے ایک پیسہ بھی ان کو نہ دیا جائے۔ اہلِ خراج اگر کہیں کہ حاکم کی تنخواہ ہمارے ذمہ رکھی جائے تو ان کی یہ بات نہ مانی جائے اور تنخواہ کا بار ان پر نہ ڈالا جائے۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ گورنر اور حاکم خراج کے ساتھ مقربین کا ایک گروہ ہوتا ہے جو راستباز اور صالح نہیں ہوتے، جن سے یہ حاکم سرکاری کاموں میں مدد لیتے ہیں، یہ لوگ نہ تو سپرد کئے ہوئے کاموں کو ٹھیک ٹھیک انجام دیتے ہیں، اور نہ ان لوگوں کے ساتھ انصاف سے پیش آتے ہیں جن کے ذمہ سرکاری مالی مواخذات ہوتے ہیں۔ ان کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ خراج کے نام سے جو چاہتے ہیں لے لیتے ہیں اور رعیت کے مال سے جو چاہتے ہیں ہضم کر جاتے ہیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اپنی مطلوبہ اشیاء کے حصول میں ظلم و ستم سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ حاکم اور اس کے مقربین جب کسی گاؤں کا دورہ کرتے ہیں تو وہاں کے باشندوں سے کھانے پینے کی ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جو ان کی بساط سے باہر ہیں اور قانوناً ان پر عائد نہیں ہوتیں۔ مگر کسی نہ کسی طرح یہ چیزیں ان کو فراہم کرنا پڑتی ہیں، اس طرح غریب گاؤں والوں کی پیٹھ ٹوٹ جاتی ہے۔

اس کے علاوہ یہ ہوتا ہے کہ حاکم مقربین میں سے کسی کو کاشتکار کے پاس خراج وصول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ میری طرف سے تم کو اجازت ہے کہ اتنی اتنی رقم وصول کرو، اور یہ رقم جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے واجب الادا لگان سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ شخص کاشتکار کے پاس جاکر کہتا ہے: "مجھے میرا محنتانہ دو جو حاکم نے اتنا اتنا مقرر کر دیا ہے"۔ اگر وہ نہیں دیتا تو یہ مقرب اس کو مارتا ہے، ستاتا ہے، اس کی گائے بکری لے جاتا ہے، یا کسی کمزور لاچار کاشتکار پر ہاتھ صاف کرتا ہے اور اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک مطلوبہ رقم وصول نہیں کر لیتا! ان حرکتوں سے رعیت تباہ ہوتی ہے، سرکاری آمدنی کم ہو جاتی ہے اور گناہ الگ ہوتا ہے۔

اس بات کی ہدایت بھی کر دیجئے کہ غلہ کٹنے کے بعد اس کے خرمن ہونے میں تاخیر نہ کی جائے، خرمن کرنے کا انتظام ہوتے ہی غلہ صفائی کے لئے کھلیان میں پہنچا دیا جائے اور اس معاملہ میں ایک دن کی دیر بھی روا نہ رکھی جائے، کیوں کہ اگر غلہ جلد از جلد کھلیان میں محفوظ نہ کر لیا جائے گا تو اس کو کاشتکار اور رہ گذر کھیتوں سے لے جائیں گے، نیز پرندے اور چوپائے کھا جائیں گے، اور اس طرح خراج میں کمی واقع ہو گی۔ کھلیان میں پہنچتے ہی غلہ کی صفائی شروع کر دی جائے، صفائی میں ایک ماہ دو ماہ یا تین ماہ کی دیر نہ کی جائے کیوں کہ ایسا کرنے سے رعیت اور سرکار دونوں کو نقصان ہوگا اور اگلی تخم ریزی کے کام میں بھی دیر ہو جائے گی۔

کھلیان میں بڑے غلہ کی تقسیم اندازہ سے نہ کی جائے، ایسا کرنے سے احتمال ہے کہ سرکاری افسر اندازہ سے وصول کئے حصہ کو بعد میں کم بتائیں اور اس کی تلافی چاہیں، ایسا کرنے سے خراج اور رعیت دونوں کی بربادی ہے۔

حاکم خراج کے لئے مناسب نہیں، نہ ان کو حق ہے، کہ یہ کہہ کر کہ اہلِ خراج نے کچھ غلہ ضائع کر دیا، ان سے مقررہ مقدار سے زیادہ وصول کرے۔ عاملِ خراج کو چاہیئے کہ جب غلہ کھلیان میں صاف ہو جائے تو بلا تاخیر سرکار اور رعیت کے حصّوں کی تقسیم کر لے، اور تقسیم کے وقت سرکار کا حصہ بڑے پیمانے اور رعیت کا حصہ چھوٹے پیمانہ سے نہ ناپے بلکہ سرکار اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رعیت دونوں کے حصوں کی تقسیم ایک پیمانہ سے کی جائے۔

رعیت کے ذمہ نہ تو کلکٹر یا عاملِ خراج کی تنخواہ ہوگی، نہ پیمانہ کی اُجرت، نہ کلکٹر یا اس کے کارکنوں کی مہماں نوازی، نہ سرکاری غلہ کی ڈھلائی، نہ کسی وجہ سے غلہ کم ہونے کی صورت میں رعیت سے اس کی تلافی کرائی جائے گی، اسی طرح خراج کے رجسٹروں اور کاغذ کا خرچ اہلِ خراج کے ذمہ نہ ہوگا، نہ ناپنے والوں کی اُجرت، بھوسہ کی قیمت بھی اہلِ خراج کے ذمہ نہ ہوگی، بلکہ بھوسہ کو ناپ کر غلہ کے حصہ کے برابر سرکاری حصہ نکال لیا جائے گا یا سارا بھوسہ بیچ کر اس کی قیمت سے سرکاری حصہ منہا کر لیا جائے گا۔ اسی طرح خراج کی رقم سے وہ روپیہ جو "رواج دراہم" کے نام سے لیا جاتا ہے، لینا بھی ممنوع ہے، مجھے معلوم ہوا ہے جب کوئی کاشتکار لگان دینے آتا ہے تو سرکاری اہل کار لگان کا ایک حصہ "رواج دراہم" کے نام سے کم کر لیتے ہیں[1] خراج کی وصولی کے لئے ہرگز ہرگز کسی شخص کو پیٹا نہیں جائے گا، نہ اس کو ایک پیر پر کھڑا ہونے کی سزا دی جائے گی، مجھے معلوم ہوا ہے کہ سرکاری محصّل اہلِ خراج کو سزا کے طور پر جلتی دھوپ میں کھڑا کرتے ہیں، اور سخت مار مارتے ہیں، ان کی گردن سے بھری بوریاں لٹکا دیتے ہیں اور ان کو باندھ دیتے ہیں جس سے وہ نماز بھی ادا نہیں کر سکتے خدا اور اسلام کی نظر میں یہ سارے کام بُرے اور نفرت انگیز ہیں"

(۵) گورنروں اور کلکٹروں کی سیرت کی نگرانی کے لئے تحقیقاتی کمیٹی کے تقرر کی تجویز:-

"امیر المومنین میری رائے ہے کہ آپ راستباز اشخاص کی ایک جماعت جن کی راستبازی اور دین داری قابلِ اعتماد ہو، گورنروں اور کلکٹروں کے کام اور سیرت کی تحقیق کے لئے حکومت کے گوشہ گوشہ میں بھیجیں اور یہ جماعت معلوم کرے کہ ان حکام کی سیرت کیا ہے، رعیت کے فائدہ یا نقصان کے لئے انھوں نے کیا کام کئے ہیں، اور خراج کی وصولی میں ان ضابطوں کو برقرار رکھا ہے اور کس حد تک جو دربارِ خلافت سے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان کی رپورٹ پر اگر یہ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۰۸-۱۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ انھوں نے سرکاری خراج کا کوئی حصہ اڑا لیا ہے تو ان کو بُری طرح پکڑا جائے، دردناک اور عبرت انگیز سزا کے بعد غبن کردہ خراج وصول کیا جائے، تاکہ ان کو سرکاری احکامات اور ضابطوں اور پالیسی کی خلاف ورزی کی آئندہ جرأت نہ ہو، کیوں کہ حاکم خراج رعیت پر جو ظلم و ستم کریں گے تو رعیت یہ سمجھے گی کہ ایسا سرکاری فرمان کے تحت ہے، حالانکہ سرکاری حکم نرمی و مہربانی کا ہے۔ اگر آپ ایک کج رو حاکم کو سخت سزا دیں گے تو دوسرے بدنیت حاکم ان سے عبرت پکڑیں گے اور غبن یا ظلم سے محترز رہیں گے۔

جب تحقیق سے آپ کو معلوم ہو جائے کہ کسی گورنر یا کلکٹر نے رعیت پر ظلم کیا ہے، یا ان کے مفاد کو نقصان پہنچایا ہے، یا خراج کا کوئی حصہ غبن کر لیا ہے یا ناجائز فوائد حاصل کئے ہیں یا ان کی چال ڈھال اور چال چلن خراب ہے تو آپ پر حرام ہے کہ ان کی ملازمت برقرار رکھیں یا رعیت کا کوئی کام ان کے سپرد کریں یا حکومت کا کوئی دوسرا عہدہ ان کو دیں، بلکہ ایسے حاکموں کو عبرت انگیز سزا دیجیے جس کو دیکھ کر دوسروں کو عبرت ہو اور وہ کج روی سے باز رہیں۔ امیر المومنین مظلوم کی بددعا سے بچیے، یہ اثر لائے بغیر نہیں رہتی۔

(و) مرکزی حکومت کے افسران اطلاعات کی سیرت اور انتخاب کے بارے میں:-

مجھے معلوم ہوا ہے کہ مرکز سے دور افتادہ صوبوں اور شہروں میں آپ کے افسران اطلاعات بڑی گڑبڑ کرتے ہیں اور گورنروں اور رعیت کے ضروری حالات لکھنے میں رعایت اور جانب داری سے کام لیتے ہیں، اکثر گورنروں سے مل جاتے ہیں اور ان کی رعیت کے ساتھ بدعنوانیوں کی خبریں چھپا جاتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اگر گورنر سے ناراض ہوتے ہیں تو ان کے بارے میں ایسی باتیں لکھ دیتے ہیں جو غلط اور بے بنیاد ہوتی ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں جو آپ کی پوری توجہ اور نگرانی کے محتاج ہیں۔ آپ ہر شہر سے کچھ نقد اور منصف مزاج لوگ منتخب کرنے کا حکم دیجیے اور پھر ان لوگوں کو سرکاری اطلاعات کی افسری پر مقرر کیجیے، ان کی تنخواہ مرکزی خزانہ سے دی جائے اور تنخواہ نہایت معقول ہو۔ ان کو تاکید کر دیجیے کہ رعیت یا حاکموں کی کوئی خبر آپ سے مخفی نہ رکھیں اور کوئی بات بڑھا چڑھا کر نہ لکھیں۔ جو افسر اس حکم کی خلاف ورزی کرے اس کو سزا دیجیے۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com